شبلی بطور مورخ

ڈاکٹر قدیر انجم

ABSTRACT:

Maulana Shibli Naumani holds a prestigious position among Urdu historians. In fact being the pioneer of Urdu history he occupies the most significant position among his contemporaries who tried their hands at history. He hasn't written about any specific time or era, rather has been writing essays on different subjects according to the need. Maulana wrote many biographies as well which hold prominence in Islamic history. It is customary for Maulana Shibli to connect his subject with history even if it is academic or literary in nature.

مولانا شبلی نعمانی کو اردو تاریخ نویسی کی روایت میں ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ وہ اردو کے مورخِ اوّل اور اوّلیت کے اس شرف کے ساتھ ساتھ، وہ اپنے ان سب معاصرین میں جنھوں نے تاریخ نویسی کے میدان میں قدم رکھا ہے نمایاں امتیاز اور انفرادیت کے مالک ہیں۔ وہ اُردو کے صرف مورخِ اوّل ہی نہیں بل کہ تاریخ نگاری کی ایک منزلِ بلند اور اس کا عین مقصود و معیار بھی ہیں۔ شبلی نے کسی عہد یا زمانے کی کوئی باقاعدہ تاریخ نہیں لکھی البتہ ضرورت کے تحت وہ مختلف مواقع پر تاریخی موضوعات پر قلم اُٹھاتے رہے ہیں۔ انھوں نے تاریخی مضامین کے علاوہ کئی سوانح عمریاں بھی یادگار چھوڑی ہیں۔ اِن سوانح عمریوں نے مورخ کی حیثیت سے ان کے مقام کو مزید بلند اور ممتاز بنا دیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اپنی تصنیف ''تاریخ ادب اردو'' میں لکھتے ہیں:

> ''مولانا شبلی ''تاریخ'' کو قدیم انداز سے نکال کر جدید یورپی معیار پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاریخ کے حوالے سے ان کا جدید زاویہ نظر یہ ہے کہ آج دنیا میں جو تمدن، معاشرت، خیالات، مذہب موجود ہیں سب گذشتہ واقعات کے نتائج ہیں جو خواہ مخواہ ان سے پیدا ہونے چاہئیں تھے۔ اس لیے ان گذشتہ واقعات کا پتا لگانا اور ان کو اس طرح ترتیب دینا جس سے

ظاہر ہو کہ یہ موجود واقعہ گذشتہ واقعات سے کیوں کر پیدا ہوا، اِسی کا نام تاریخ ہے۔'' [۱]

فنی اعتبار سے دیکھا جائے تو سوانح نگاری اور تاریخ نویسی کے فنون کسی حال میں بھی ایک دوسرے سے لگّا نہیں کھاتے لیکن شبلی کے یہاں سوانح نگاری اور تاریخ نویسی میں فاصلے زیادہ نہیں۔ وہ بنیادی طور پر مورخ ہیں اس لیے ان کا ہر فعل مورخ کی حیثیت سے اور ہر کام مورخ کے روپ میں ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا رہا کہ وہ تاریخ کے بغیر لقمہ نہیں توڑ سکتے۔ مولانا شبلی کی یہ عادت ہے کہ وہ خواہ ادبی و علمی موضوع پر لکھ رہے ہوں اپنی بات کا رشتہ تاریخ سے ضرور ملا دیتے۔ اس بات کے شاہد ''شعرالعجم'' میں دیے جانے والے شاعروں کے طویل حالاتِ زندگی اور ''موازنہ انیس و دبیر'' کے بعض حصے بھی ہیں۔ جہاں تاریخی واقعات کے بیان کی ضرورت نہ ہونے کے باوجود مولانا شبلی نے صفحات کے صفحات اپنے شوق کی تکمیل کے لیے وقف کر دیے ہیں۔ انھوں نے ایک جگہ اس بات کو خود بھی تسلیم کیا ہے کہ تاریخ ان کا اوڑھنا بچھونا ہے جس کے سہارے کے بغیر وہ ایک قدم بھی چل نہیں سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ صاحبِ سوانح کے حالات سے زیادہ تاریخ کو اہمیت دیتے ہیں۔ سوانح نگاری کرتے ہوئے بھی ان کے ذہن میں ہمیشہ تاریخ کا خیال رہتا ہے۔ ڈاکٹر اے ڈی ارشد اپنے مضمون ''شبلی کا تحقیقی شعور'' میں لکھتے ہیں:

> ''یہ حقیقت ہے کہ شبلی گہرا تحقیقی شعور رکھتے تھے۔ جسے ان کے مخصوص انفرادی اور اجتماعی حالات نے تقویت دی تھی۔ شبلی کا زمانہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں نشاۃِ ثانیہ کا زمانہ ہے۔ اس زمانے میں مسلمانوں کو سرسید جیسا راہ بر ملا، جس کے کارناموں نے شبلی کے تحقیقی شعور کو جلا دی۔ مغربی تہذیب کے زیر اثر جو فضا ملک اور دنیا میں پیدا ہو رہی تھی، وہ بھی شبلی کے یہاں تحقیقی نام کے لیے وجہ تحریک ثابت ہوئی۔ علاوہ ازیں شبلی نے بہت سے اعلیٰ علوم و فنون بڑے انہاک سے حاصل کیے تھے۔ انھوں نے شبلی کے تحقیقی کام میں زبردست اعانت کی۔'' [۲]

سوانح نگاری اور تاریخ نویسی کے فنون کا سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ سوانح نگار کا کھینچا ہوا مرقع مصور کی بنائی ہوئی تصویر کی مانند ہوتا ہے۔ جو تصویر بناتے وقت صرف ان چیزوں کا انتخاب کر لیتا ہے جو اس کی نظر میں پسندیدہ ہوتی ہیں۔ دوسری طرف ایک غیر جانب دار مورخ کا قلم ایسی تصویر بناتا ہے جو کیمرے کی کھینچی ہوئی تصویر کی طرح ہوتی ہے۔ جس میں ہر اچھی بری چیز اس طرح سامنے آ جاتی ہے جیسی وہ حقیقت میں ہے۔ مولانا شبلی کی سوانح عمریاں دوسری قسم کی ہیں۔ اس لیے انھیں سوانح عمریوں کے بجائے تاریخی تصانیف قرار دینا زیادہ مناسب ہے۔ شبلی سوانح لکھتے وقت ایک وکیل کی طرح جانب داری سے اپنے موکل کا مقدمہ پیش نہیں کرتے بل کہ ایک غیر جانب دار مصنف کی طرح دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ کر دیتے ہیں۔ وہ حقائق کو پیش نظر رکھنا اپنے لیے ضروری خیال کرتے ہیں۔ یہ بات بھی ان کے سوانح نگار سے زیادہ مورخ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے علاوہ سوانح نگار زمانے سے زیادہ انسان کو اہمیت دیتا ہے اور مورخ انسان سے زیادہ زمانے سے دل چسپی رکھتا

ہے۔ پروفیسر محمد فرماں ''تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند'' میں شامل اپنے مضمون ''شبلی نعمانی'' میں لکھتے ہیں:

> ''سوانح نگاری میں بھی شبلی کا انداز ایک مورخ کا سا ہے۔ وہ سوانح عمریوں کو پھیلا کر تاریخ بنا دیتے ہیں اور وہ سوانح اپنے عہد کی ایک جامع تاریخ بن جاتی ہے۔ واقعات کی صداقت اور سچائی پر زور دیتے ہیں۔ اگر چہ وہ اپنے ہیرو کے بشری خط و خال دکھانے ضروری قرار دیتے ہیں مگر وہ ایسے بزرگ اشخاص کی سیرت لکھتے ہیں جن کی بشری کم زوریوں کا تذکرہ نہ کرنا بھی قابلِ ملامت نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود وہ اپنی مولفہ سوانحی کتابوں میں فطرتِ انسانی کی جھلکیاں دکھاتے ہیں۔'' ۳

سوانح عمری ''المامون'' ۱۸۸۹ء میں شایع ہوئی۔ یہ زمانہ شبلی کے علی گڑھ میں قیام کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تصنیف کے پیچھے کہیں کہیں سرسیّد کے خیالات نظر آتے ہیں۔ مولانا شبلی اس بات کے قائل ہیں کہ مورخ کو ہمیشہ غیر جانب داری سے کام لینا چاہیے۔ چناں چہ مامون سے عقیدت کے باوجود انھوں نے مامون کے بے موقع گُن نہیں گائے بل کہ حقیقت کو غیر جانب داری سے رقم کیا ہے۔ فنی لحاظ سے ''المامون'' کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ شبلی نے ایک بڑے انشاپرداز اور مزاجاً شاعر ہونے کے باوجود کہیں بھی بلاضرورت اپنی رنگین بیانی کے جوہر دکھانے کی کوشش نہیں کی۔ ۱۸۹۱ء میں شبلی نے ناموران اسلام میں سے حضرت نعمان بن ثابتؒ کی سوانح ''النعمان'' کے نام سے لکھی۔ دو حصوں میں منقسم اس تصنیف کا دوسرا حصہ جس کی ضخامت کتاب کے تقریباً تین چوتھائی حصے پر مشتمل ہے۔ اسے مولانا شبلی نے امام ابوحنیفہؒ کی تصانیف پر تبصرے کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ اس کے باوجود ''النعمان'' کی تاریخی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا شبلی نے تاریخ نویسی کی ایک صحیح نبض شناس کی طرح کہیں بھی سچائی کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ ''الفاروق'' ۱۸۹۹ء میں شایع ہوئی۔ مولانا شبلی نے حضرت عمرؓ کے سیاسی نظامِ حکومت کو منظرِ عام پر لانے کی طرف زیادہ توجہ دی ہے اور اپنے مورخانہ، عالمانہ اور محققانہ طرزِ تحریر اور استدلال سے یہ ثابت کر دیا کہ اہلِ یورپ جس سیاسی نظامِ حکومت پر آج ناز کرتے ہیں، اس کا حیرت انگیز سبق آج سے تیرہ سو برس قبل حضرت عمرؓ پڑھا چکے ہیں۔

اچھی تاریخ نویسی کے لیے تحقیق و تدقیق نہایت ضروری ہے تاکہ مورخ ہر واقعہ کو سند کے ساتھ پیش کر سکے کیوں کہ تاریخ ذاتی رائے کے اظہار کی اجازت نہیں دیتی۔ ''الغزالی'' مولانا شبلی کی تصانیف میں تاریخ اور سوانحی لحاظ سے سب سے کم زور کتاب ہے۔ اس میں مولانا شبلی نے امام غزالی کے ذہنی ارتقا کا تو بڑی خوب صورتی سے احاطہ کیا ہے لیکن ان کی شخصی زندگی اور اپنے اصول کے خلاف ان کے زمانے کی معاشرتی و تہذیبی تاریخ نظرانداز کر گئے ہیں۔ مولانا شبلی کی تصانیف میں حرفِ آخر ''سیرت النبیؐ'' ہے۔ وہ اِسے اپنے لیے وسیلہ نجات سمجھتے ہیں۔ اہلِ علم کا کہنا ہے کہ آج تک ''سیرت النبیؐ'' سے زیادہ محققانہ، عمدہ اور جامع المعلومات کتاب رسول کریمؐ پر نہیں لکھی گئی۔ مولانا شبلی ''سیرت النبیؐ'' کی وجہ تصنیف بیان کرتے ہیں کہ اردو میں سیرت النبیؐ پر کوئی مستند کتاب نہ تھی اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو سیرت النبیؐ پر کچھ جاننے کے لیے انگریزی تصنیفات کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا جو تعصب،

رنگ آمیزی اور ناواقفیت کی وجہ سے غلطیوں کا جنگل بنی ہوئی تھی۔ چناں چہ ۱۹۱۲ء میں انھوں نے سیرت لکھنے کی طرف توجہ مبذول کی۔ مواد کی فراہمی اور جانچ پڑتال کے لیے انھوں نے ''الندوہ'' میں ''مجلس تالیف سیرت نبویؐ'' قائم کی۔ بعدازاں انھوں نے سیرت نبویؐ کا ایک دفتر قائم کیا جس میں ایک عربی اور دو انگریزی کے مترجم رکھے۔ خود مولانا شبلی انگریزی نہیں جانتے تھے اس لیے مترجموں کے ذمے رسول کریمؐ پر لکھی جانے والی تصانیف کا ترجمہ کرنا قرار پایا کیوں کہ مولانا شبلی یورپی مصنفین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا جواب دینا نہایت ضروری سمجھتے تھے۔ انھوں نے سیرت کی تصنیف میں جس محنت اور جستجو سے کام لیا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ہفتے میں دو یا تین صفحے سیرت کے لکھتے تھے باقی وقت لکھنے کے لیے سوچ بچار اور تحقیق و تدقیق میں گزرتا تھا۔ اختر وقار عظیم ''شبلی بحیثیت مورخ'' میں لکھتے ہیں:

> ''شبلی کی پُرمقصد تاریخ نویسی کا ایک مقصد یہ تھا کہ ناموران اسلام کی عظمت کی داستانیں سنا کر مسلمانوں کی ڈھارس بندھائیں۔ ظاہر ہے یہ مقصد جس عمدگی سے رسول کریمؐ کی سیرت پر لکھنے سے پورا ہوسکتا تھا اور کسی طرح پورا نہ ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو پوری زندگی ہی عظمت کی داستانوں کا مجموعہ ہے۔ پھر یہ کیسے ہوتا کہ ان کی داستانِ حیات لکھی جاتی اور کتاب کا کوئی صفحہ ان کی عظمت کے بیان سے خالی رہتا۔ جگہ جگہ شبلی نے ان کی عظمت کی داستانیں بکھیری ہیں جو اسلام اور پیغمبر اسلام کی منھ بولتی تصویریں ہیں۔'' [۴]

مولانا شبلی نے جہاں تنقید اور سوانح عمریوں میں تاریخ نگاری کا رنگ بھر دیا وہاں اِن کی شاعری بھی تاریخی واقعات سے روشن ہے۔ وہ ہر چیز کو مورخ کی باریک بیں نظر سے دیکھتے ہیں اور شاعر کے حساس دل سے محسوس کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں ہر وقت مورخ شبلی پیش پیش نظر آتا ہے۔ چناں چہ انھوں نے ایسی نظمیں لکھیں جو ایسے واقعات کو پیش کرتی ہیں جن سے مسلمانوں کے دل میں ان کے اباؤاجداد کی یاد تازہ ہو جائے۔ مولانا شبلی کے نزدیک دیرپا اور فوری اثرانگیزی کی صلاحیت نثر سے زیادہ نظم میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس مقصد کی تکمیل کے لیے نظم کو اظہار کا ذریعہ بنایا اور زیادہ تر ایسے تاریخی واقعات کو نظم کیا جن میں مسلمانوں کی عظمت کی جھلک نمایاں ہو۔ مثال کے طور پر حضرت زبیرؓ کی شہادت کا واقعہ شبلی نے اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ سچائی بھی اپنی جگہ قائم ہے اور شاعرانہ تاثیر بھی اپنا کام کر رہی ہے:

مسند آرائے خلافت جو ہوئے ابنِ زُبیر
سب نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھائے یک بار
حرمِ کعبہ میں محصور ہوئے ابنِ زُبیر
فوجِ بے دیں نے کیا کعبۂ ملت کا حصار
صلح کر لوں کہ چلا جاؤں حرم سے باہر
یا یہیں رہ کے اسی خاک پہ ہو جاؤں نثار

تاریخ نویسی کا ایک اہم اصول ہے کہ ہر بات سیدھے سادے انداز میں بغیر کسی لگی لپٹی کے بیان کر دی جائے۔ شاعر کو اس کی شاعرانہ تعلّی مورخ کے منصب سے دور لے جاتی ہے لیکن مولانا شبلی کے یہاں ایسا نہیں ہوتا۔ وہ ایک واقعے کو نثر میں جس طرح بیان کرتے ہیں اُسے پوری دیانت داری سے نظم بھی کر دیتے ہیں۔ وہ نہ بھول بھلیوں میں گُم ہوتے ہیں اور نہ کہیں شاعرانہ تخیلات میں۔ اس کی بہترین مثال کان پور کا ۱۹۱۲ء کا واقعہ ہے جب محلّہ مچھلی بازار میں مسجد کے ایک حصہ کو منہدم کر دیا گیا اور مسلمانوں کے جلسہ میں حکام نے نہایت بے رحمی سے نہتے مسلمانوں پر گولیاں چلائیں۔ اختر وقار عظیم اپنی تصنیف ''شبلی بحیثیت مورخ'' میں لکھتے ہیں:

> ''شاعر شبلی کے حساس دل مورخ شبلی کی باریک بیں نظر کے امتزاج نے شبلی کی نظموں کو شعریت اور واقعیت کا حسین مرقّع بنا دیا ہے۔ شبلی نے جن نظموں میں تاریخی واقعات کو شعر کا موضوع بنایا ہے ان میں تاریخ کے اصولوں کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے اور شعر کے نازک آبگینے کو بھی ٹھیس نہیں پہنچنے دی۔ تاریخ کی اصلیت اپنی جگہ قائم ہے اور شعر کی شعریت اپنی جگہ۔ اردو میں نثری تاریخ نویسی کی طرح شعری تاریخ کی بنیاد رکھنے کا سہرا بھی شبلی کے سر ہے۔'' [۵]

مختصر یہ کہ مولانا شبلی نے تاریخ نویسی ایک مقصد کے پیشِ نظر شروع کی اور وہ مقصد تھا مسلمانوں کے آباؤ اجداد کی عظمت کی داستانیں سنا کر اِن کے دِل کو گرمایا جائے۔ یہ ایک لحاظ سے مذہبی مقصد قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم اس کو اس طرح کہیں کہ شبلی کی تاریخ نویسی میں ہر جگہ ان کا دین چھایا ہوا ہے تو غلط نہ ہو گا لیکن مذہب سے گہری وابستگی کے باوجود مولانا نے تاریخ نویسی کے بنیادی اصولوں کو مذہب کی خاطر قربان نہیں کیا۔ وہ ان نام ور شخصیات کی اچھائیوں کے ساتھ ساتھ اُن کی بشری کم زوریوں کو بھی بیان کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان شخصیات کی اچھائیاں ان کی بشری کم زوریوں پر بھاری ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی۔ **تاریخ ادب اردو**، جلد چہارم۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۲ء، ص۱۰۸۲

۲۔ **کریسنٹ** شبلی نمبر۔ لاہور: اسلامیہ کالج، جنوری ۱۹۷۱ء، ص۳۲۵

۳۔ پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا (مدیرِ عمومی)۔ **تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند**، جلد چہارم۔ لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء، ص۱۰۳

۴۔ اختر وقار عظیم۔ **شبلی بحیثیت مورخ**۔ لاہور: ابلاغ پبلشرز، ۱۹۶۸ء، ص۴۰

۵۔ ایضاً۔ ص۱۰۲